ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر طارق جاوید

شعبۂ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

روبینہ کوثر

اسکالر پی ایچ۔ڈی اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

نو تاریخیت کے تناظر میں اقبال کی نظم "خضرِ راہ" کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Dr. Tariq Javed*
Department of Iqbal Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Robina Kousar
Ph. D Scholar, National University of Modern Language, Islamabad.

***Corresponding Author:** tariq.benai@aiou.edu.pk

A Research and Critical Review of Iqbal's Poem Khizr-e- Rah in the Context of Neo-historicism

This research critically examines Allama Iqbal’s poem Khizr-e-Rah through the lens of neo-historicism, which explores the hidden meanings within historical and socio-political contexts. Delivered in Lahore on April 16, 1922, the poem presents a dialogue between Iqbal and Khizar, reflecting on global politics and the state of the Muslim world. By analyzing the political, social, and cultural conditions of its time, this study investigates the circumstances that influenced Iqbal’s thoughts and poetic expression. The research addresses key questions: What political and historical events shaped Iqbal’s worldview, particularly in India, Iran, and the Ottoman Empire? How did cultural trends and geographical changes impact the Muslim world? What challenges did colonialism and Western influence pose to the East? Iqbal’s poetry encapsulates these concerns, offering a critique of prevailing conditions and a vision for revival. Employing a mixed-methods approach, this study combines literary analysis with historical research to uncover the deeper significance of Khizr-e-Rah. The findings suggest that the poem

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

symbolically represents Iqbal's philosophy of khudi (selfhood) and serves as a call to action for the Muslim Ummah. It emphasizes that intellectual awakening, self-reliance, and relentless struggle are essential for the resurgence of Muslim identity and power. This research concludes that Khizr-e-Rah is not merely a poetic expression but a historical and ideological commentary, urging Muslim youth to embrace knowledge, hard work, and perseverance. By revisiting this work through a neo-historicist perspective, the study highlights Iqbal's relevance in contemporary socio-political discourse and his enduring influence on Muslim thought.

Key Words: *New-historicism, Khizar, Iqbal, Muslims and Poem Khizr-e-Rah.*

جدیدیت کے آغاز کے ساتھ ہی اُردو ادب میں بہت سے نئے رجحانات نے جنم لیا اور ادب کو ان نظریات و تصورات کے زیرِ اثر پرکھا اور برتا جانے لگا جس سے ادب کو بے تحاشا روشن خیالی نصیب ہوئی۔ تخلیق کاروں اور ناقدین کو اظہارِ رائے کی مکمل آزادی ملنے کے ساتھ ساتھ معنی کے پیرائے بھی وسیع ہوئے۔ لفظوں کو معنی کے حصار اور استعمالات کی قید سے نجات ملی۔ ادب کو برتنے اور پرکھنے کے نئے نئے زاویے سامنے آئے۔ انھیں جدید نظریات میں ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ فن پاروں کو پرکھنے اور برتنے کے لیے تاریخ کا سہارا لیا جائے۔ ادب اور تاریخ کو پرکھنے، برتنے، اور سمجھنے کا یہ عمل تاریخیت کہلایا ۔ پرکھنے ،برتنے اور سمجھنے کے اسی انداز کو ساختیات و پسِ ساختیات، جدید و مابعد جدید کے عہد میں مزید وسعت ملی اور نیا تصور یہ قائم ہوا کہ ادب کو محض تاریخی حوالوں سے نہ پرکھا جائے بلکہ ادب کو پرکھنے کے لیے دیگر علوم و فنون کا بھی سہارا لیا جائے۔ ایک تاریخی واقعے کی سچائی کو اس کے عہد کے سیاسی، سماجی، علمی، معاشی اور تہذیبی حوالوں سے پرکھا جائے۔ پرکھ کا یہی نیا انداز نو تاریخیت کہلایا۔ نو تاریخیت در حقیقت بین السطور چُھپے معانی و مطالب کا سراغ ہے۔ یہ ایسے حالات و واقعات یا محرکات کی تلاش ہے جو اس عہد میں مذہب، معاشرے یا کسی سماجی و سیاسی طاقت کے زیرِ اثر بیان ہونے سے رہ گئے۔ گویا یہ متون کے پیچھے جھانکنے کا ایک عمل ہے۔ ادیب اپنے گردو پیش میں جن حالات و واقعات اور احساسات و جذبات سے متاثر ہوتا ہے انھیں اپنے فن پارے میں جگہ دیتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہیگل کے نظریے میں پیش کی جانے والی تاریخیت کی شاخ Reflective History کا اطلاق ادب پر مکمل طور پر دکھائی دیتا ہے۔ ہیگل کے مطابق ادیب کسی بھی واقعہ کا اثر قبول کرنے کے بعد ہی وہ واقعہ یا مسئلہ اپنے احساسات اور تاثرات کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتا ہے۔[۱] نو تاریخیت (New Criticism) کے بارے میں گوپی چند نارنگ لکھتے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

ہیں کہ نیو کریٹسیزم اور ردِ تشکیل سمیت اِن تمام رویوں کے خلاف جو فقط لسانیات یا فقط متنیت پر زور دیتے ہیں، رفتہ رفتہ ایک بغاوت رونما ہوئی اور ادبی مطالعہ کا جو نیا طور سامنے آیا اس کو نئی تاریخیت کے نام سے جانا جاتا ہے۔" [۲]

نو تاریخیت کی اصطلاح سب سے پہلے کیلی فورنیا یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے امریکی اسکالر اسٹیفن گرین بلاٹ (Stephen Green Blat) نے ۱۹۸۰ء میں استعمال کی۔ گرین بلاٹ نے ۱۹۸۲ء میں شکاگو (Chicago) میں چھپنے والے رسالے Genre میں ادیبوں سے علی الاعلان کہا کہ وہ ادبی فن پاروں کو تاریخ کے تناظر میں پھر سے پرکھنا شروع کریں کیوں کہ ہر عہد اور اس عہد میں ترتیب دیا جانے والا ادب ایک مخصوص رجحان رکھتا ہے۔ اسی لیے نئی تاریخیت ایک متن میں موجود سماج کا مطالعہ اُس کے بعد آنے والے سماج میں کرتی ہے۔ [۳] نئی تاریخیت فن پارے کے عہد کے سیاسی، سماجی، معاشرتی، جغرافیائی اور تہذیبی حالات کو پیشِ نظر رکھ کے فن پارے پر بات کرتی ہے اور بہت سے مخفی پہلوؤں کو سامنے لاتی ہے۔ نو تاریخیت کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اقبال کی نظم "خضرِ راہ" کا جائزہ نو تاریخیت کے تناظر میں لیا گیا ہے۔ نظم "خضرِ راہ" علامہ اقبال نے انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسے، منعقدہ ۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء میں نہایت درد انگیز لے میں ترنم سے پڑھ کر سنائی۔ یہ جلسہ اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالا گیٹ لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ نظم سننے کے لیے بے شمار آدمی جمع تھے۔ مولانا غلام رسُول مہر کے نزدیک پورا مجمع بیس ہزار سے کم نہ ہوگا۔ [۴] نظم پڑھتے وقت علامہ اقبال اور سامعین پر گریہ طاری رہا۔ نظم ترکیب بند ہیئت میں لکھی گئی ہے اور گیارہ بند ہیں ۔ نظم بحرِ رمل مثمن محذوف الآخر میں ہے۔ بحر کے ارکان ہیں فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلا۔ یہ نظم اقبال کا ایک شاہکار تسلیم کی جاتی ہے۔ اسے لکھتے ہوئے اقبال کی نظر کن حالات و واقعات پر تھی اور وہ مختلف عوامل کے کیا نتائج و اثرات دیکھ رہے تھے۔ دنیائے اسلام بالخصوص ہندوستان، ایران اور سلطنت عثمانیہ کی سیاسی صورت حال کیا تھی۔ وہ کون سے تہذیبی و تمدنی رجحانات و اثرات تھے جو عالمی صورت حال پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ وہ کیا اعمال و افعال تھے جنھوں نے مشرق میں جغرافیائی تغیر و تبدل کے ذریعے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ اقبال نے ان تمام حالات و واقعات کو محسوس کیا اور اپنے اشعار میں پرو دیا۔ نظم "خضرِ راہ" کا ایک ایک شعر اپنے اندر ایک مکمل تاریخ رکھتا ہے۔ اس میں دو کرداروں (شاعر اور خضر) کے سوال و جواب سے عالمی سیاست پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نو تاریخیت کے پیراڈائم سے اگر نظم پر نگاہ ڈالی جائے تو پہلا سوال یہ جنم لیتا ہے کہ اقبال نے خضر کے کردار کا انتخاب کیوں کیا؟ اس کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں۔ چوں کہ یہ ایک ایسی نظم ہے جس میں دو کرداروں کا مکالمہ ہے پہلا کردار شاعر کا خود اپنا ہے جس میں وہ متعدد سوالات پوچھتا ہے اور دوسرا کردار خضر کا ہے جو ان کے سوالات کے

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11
ماخذ تحقیقی مجلہ

جواب فراہم کرتا ہے۔ اگر علامہ اقبال خضر کے کردار کی بجائے خود ہی ان مسائل پر سیدھے سادے طریقے سے اظہار خیال کرتے تو نظم بالکل سپاٹ رہ جاتی اور ان کے افکار و نظریات میں پیغمبرانہ فرمان کی سی شان پیدا نہ ہوتی۔ بیانیہ انداز میں پیش کی گئی نظم کا نتیجہ یہ نکلتا کہ اقبال کے خیالات محض ایک انسان کی فکر کا نتیجہ ہوتے مگر نظم کی موجودہ پیش کش میں یہ افکار و خیالات ایک ایسی ہستی کے ہیں جو جہاں بیں ہے اور جس کے سامنے موسیٰ علیہ السلام بھی حیرت زدہ ہیں۔ اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے بھی زیادہ علم اور بصیرت رکھنے والے خضر کا کردار سامعین و قارئین پر علمی رعب و دبدبے کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور وہ خضر کی بات سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں۔ انھیں پختہ یقین ہے وہ جو بھی بات بتائے گا وہ ہرف بہ حرف سچ ہو گی۔ رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ نظم میں علامہ اقبال نے اپنے نظریات کو اعتماد اور یقین کے ساتھ جس فصیح و بلیغ انداز میں پیش کیا ہے اس کی وجہ خضر کا کردار ہے۔ اگر علامہ اقبال اس نظم میں خضر کے کردار کا سہارا نہ لیتے تو قاری کو نظم کی جانب یوں انہماک کے ساتھ متوجہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔[۵] اقبال نے اپنے افکار و خیالات کو زیادہ مؤثر اور باوزن بنانے کے لیے خضر کے کردار کا سہارا لیا ہے۔ خضر کی شخصیت کے بارے میں متعدد روایات معروف ہیں۔ قران مجید اور احادیث مبارکہ میں بھی خضر کا تذکرہ موجود ہے۔ یہ ایسے ماخذ ہیں جو یقیناً مستند اور معتبر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

اقبال نے نظم میں براہِ راست خضر سے سوال و جواب کا سلسہ شروع نہیں کیا بلکہ تمہیدی طور پر پہلے کچھ اشعار ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال پہلے چند اشعار کے ذریعے تمہیدی طور پر ایک ایسی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے جس میں قاری کو لذت نصیب ہو اور وہ نظم کی جانب متوجہ ہو جائے۔ اس پر سکون فضا کا نقشہ اقبال یوں کھینچتے ہیں کہ ایک رات دریا کے کنارے ادھر ادھر کے نظارے دیکھ رہا تھا۔ میرے دل کے اندر پریشانیوں کی ایک دنیا چھپی ہوئی تھی۔ رات کا سماں بہت سنسان تھا۔ ہوا ساکن تھی۔ دریا دھیمے دھیمے چل رہا تھا۔ نظریں حیران تھیں کہ یہ دریا ہے کہ پانی کی تصویر ہے۔ پانی کی لہریں دریا کے اندر اس طرح محوِ خواب ہیں جیسے دودھ پینے والا بچہ پنگھوڑے میں سو جاتا ہے۔ رات کے سحر زدہ ماحول میں پرندے آشیانوں میں دبکے ہوئے ہیں۔ ستاروں کی روشنی چاند کے طلسم میں گرفتار ہو کر بہت ماند پڑ چکی ہے۔ حسنِ فکر و نظر کی منہ بولتی ہوئی تصویر والے ان تین چار اشعار میں رات کے کامل سکوت کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ماحول اپنی حقیقی صورت میں سامنے آگیا ہے۔ نو تاریخیت یہاں بھی سوال اُٹھاتی ہے کہ ان ابتدائی اشعار میں ماحول کے کامل سکوت کو کیوں پیش کیا ہے۔ محض قارئین و سامعین کی توجہ کھینچنا ہی مقصود ہوتا تو وہ یہ کام حسن و شباب کے مضامین پیدا کر کے بھی لے سکتے تھے مگر انھوں نے ایک پُر سکون فضا کا نقشہ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

کھینچا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ خضر کے ساتھ جس دانش مندانہ موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے تھے اس کے لیے پہلے ایک ایسی فضا بنانا ضروری تھی جو پُر سکون ہو۔ کیوں کہ براہین و دلائل پر مبنی گفتگو کے لیے ایک خاموش اور سنجیدہ ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمہیدی اشعار کے بعد اقبال اصل مدعا کی جانب آتے ہیں مگر خضر سے کچھ پوچھنے سے قبل ان کی عظمت و بڑائی کے اعتراف میں ان کی تحسین و تعریف کرتے ہیں کہ اس دنیا رنگ و بو کے تمام اسرار و رموز آپ پر وا ہیں۔ آپ کو مستقبل کے وہ حالات بھی معلوم ہیں جو ابھی ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ اقبال خضر کو موسیٰ کے مقابلے میں پیش کر کے یہ تاثر چھوڑتے ہیں کہ ان کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کا علم بھی محدود ہے۔

اے تری چشمِ جہاں میں پردہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے دریا میں ابھی سوتے ہیں خموش
"کشتیٔ مسکین"و "جانِ پاک" و "دیوارِ یتیم"
علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش (۶)

ان اشعار میں یہ تراکیب "کشتیٔ مسکین" و "جانِ پاک" و "دیوارِ یتیم" بطور تلمیح استعمال ہوئی ہیں۔ سورۃ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک قصّہ بیان ہوا ہے جس کا مفہوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک مقام پر ان کی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی۔ بعد میں جب مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں چلے جانے والا ماجرا خادم نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بیان کیا تو آپ نے کہا کہ واپس اسی مقام پر چلو کہ اسی کی تو تلاش تھی۔ اپنے نقشِ قدم پر واپس پہنچے تو وہاں اُن کی ملاقات اللہ کے ایک نیک بندے سے ہوئی۔ موسیٰ نے اُن کے ساتھ رہنے کی فرمائش کی تو وہ اس شرط پر راضی ہوئے کہ موسیٰ اُن کے کسی فعل میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اب موسیٰ اُس نیک بندے کے ساتھ ایک کشتی میں روانہ ہوئے تو اُس شخص نے کشتی میں سوراخ بنا ڈالا۔ موسیٰ نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا کہ یہ کیا حرکت کی؟ اُس بندے نے کہا کہ تُم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اس پر موسیٰ نے کہا کہ وہ اسے در گزر کریں اور آئندہ وہ باصبر رہیں گے۔ پھر دونوں کا سفر شروع ہوا اور راستے میں انھیں ایک لڑکا ملا جسے اُس بندے نے قتل کر دیا۔ پھر موسیٰ نے کہا کہ آپ نے یُونہی ایک بے گناہ کی جان لے لی۔ اُس بندے نے کہا کہ تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اس پر موسیٰ نے کہا کہ اس بُھول چُوک کو معاف کریں۔ اِس کے بعد کچھ پُوچھوں تو آپ بے شک ساتھ نہ رکھنا۔ پھر سفر شروع ہوا۔ یہاں تک کہ وہ ایک بستی میں پہنچے۔ بستی والوں سے کھانا مانگا مگر انھوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ اسی بستی میں انھوں نے ایک دیوار

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ انھوں نے دیوار کو پھر قائم کر دیا۔ موسیٰ سے رہا نہ گیا اور کہا کہ ان بستی والوں نے کھانا نہیں دیا اور آپ نے بغیر اُجرت کے دیوار سیدھی کر دی۔ اِس پر اُس بندے نے موسیٰ سے کہا کہ بس یہاں پر تیرا اور میرا ساتھ ختم البتہ ان باتوں کی حقیقت سُن لیجیے جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ اس کشتی کا معاملہ یہ تھا کہ ایک ظالم بادشاہ زبردستی کشتیاں چھین رہا تھا، اس لیے اس غریب کی کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ وہ نہ چھینے۔ لڑکے کو اس لیے مارا کہ اُس کے والدین نیک تھے مگر بچہ سرکش تھا۔ دعا کی کہ اس کے بدلے میں رب انھیں نیک اور صالح اولاد عطا کرے۔ دیوار کا معاملہ یہ تھا کہ یہ دو یتیم بچوں کی ہے اور اس کے نیچے خزانہ دفن ہے۔ تمھارے رب نے چاہا کہ ان کے بالغ ہونے تک خزانہ محفوظ رہے اور بڑے ہو کر وہ خود ہی نکال لیں۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت اور یہ سب کچھ تمھارے رب کی مرضی سے کیا گیا۔ (۷)

اقبال نے خضر سے اس دنیائے رنگ و بو اور اس میں پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں سوال کرنے سے قبل خود خضر کی اپنی ذات سے متعلق سوال کیا ہے کہ اُسے صحرا نوردی اس قدر پسند کیوں ہے؟

چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نورد
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش (۸)

نو تاریخیت کے تناظر میں دیکھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے خضر کی صحرا نوردی کو اُن کی ایک خوبی بنا کر کیوں پیش کیوں کیا؟ دراصل اقبال نے صحراؤں اور بیابانوں کو اپنی شاعری میں فلسفیانہ اور روحانی معنی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے اشعار ان کی وسعتِ فکر اور تخیل کے آفاقی پہلو کو اُجاگر کرتے ہیں۔ صحرا اُن کے ہاں محض ایک جغرافیائی مظہر نہیں بلکہ انسانی روح کی تلاش اور جستجو کا استعارہ بھی ہے۔ اسی لیے انھیں صحرا نوردی بہت زیادہ پسند ہے اور اس نظم میں خضر کو ایک صحرا نورد کے رُوپ میں ظاہر کیا ہے۔ اس کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں۔ صحرائی آدمی میں تصنع اور بناوٹ نہیں ہوتی۔ صحرائی آدمی کے اندر قوت برداشت حد درجے کمال ہوتی ہے۔ صحرائی آدمی سخت کوش اور سخت جان ہوتا ہے۔ معرکہ آرائی کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی مسلسل جدوجہد، سخت کوشی اور حرکت و عمل سے عبارت ہے۔ یہی مسلسل جدوجہد کشمکش اور معرکہ آرائی صحرائی آدمی میں تسخیرِ کائنات اور تعمیر و ترقی کے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ اسی لیے اقبال کو ایک صحرائی آدمی بہت پسند ہے۔ صحرا سے اقبال کی اس محبت اور لگاؤ کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کی سائنسی اور علمی ترقی نے یورپ کو حد سے زیادہ مادیت پرست بنا دیا تھا۔ حد سے بڑھی ہوئی مادیت تباہی کے دہانے پر لے جا سکتی ہے۔ اس مادیت سے فرار حاصل کرنے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11
ماخذ تحقیقی مجلہ

کے لیے پر سکون صحرائی اور کوہستانی ماحول سب سے بہتر ہے۔ صحرا کے انھیں متعدد اوصاف کی بنا پر اقبال خود کو "لالہ صحرایم" کہتے ہیں اور بار بار "لالۂ صحرا" کی ترکیب استعمال کرتے ہیں۔

بھٹکا ہوا راہی میں، بھٹکا ہوا راہی تُو
منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی (۰۹)

☆☆☆

لالۂ صحرایم از طرف بیابانم برید
در ہوائے دشت و کہسار و بیابانم برید (۱۰)

یہاں خضر کو ایک صحرا نورد ثابت کر کے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ خضر کی زندگی سخت کوش اور سخت جان ہے۔ اُس میں ظاہری تصنوع اور بناوٹ کا شائبہ تک بھی موجود نہیں۔ خضر کی ذات وصفات پر روشنی ڈالنے کے بعد اقبال خضر سے عالمی سیاست پر بات کرتے ہیں مگر عالمی سیاست پر بات کرنے سے پہلے ان سے زندگی کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ زندگی کیا ہے؟ زندگی کے اسرار و رموز سمجھنے کے لیے فلسفیوں اور دانشوروں کی زندگیاں وقف ہوگئی ہیں لیکن ہنوز اس پر غور و فکر کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ سوال کہ زندگی کیا ہے؟ انسان کیا ہے؟ انسان کا خدا سے کیا رشتہ ہے؟ اس کائنات میں انسان کی کیا حیثیت ہے؟ زندگی اور اس کی ماہیت کے متعلق شعراء و ادباء ہمیشہ سے محوِ حیرت رہے ہیں۔

زندگی کا سفر ہے یہ کیسا سفر
کوئی سمجھا نہیں کوئی جانا نہیں (۱۱)

عالمی سیاست پر گفتگو سے قبل زندگی کی حقیقت کے بارے میں اقبال کا سوال نہایت اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ جب تک زندگی کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوگا دنیا اور دنیا کے مسائل کی حقیقت کیسے معلوم ہو سکتی ہے؟ دنیا کے مسائل سمجھنے کے لیے اس کائنات کی تخلیق کی اصل غرض و غایت کا معلوم ہونا لازم ہے۔ کائنات کی تخلیق سے متعلق دو نظریات اہم ہیں۔ بگ بینگ تھیوری کے مطابق اس کائناتِ رنگ و بو کی تخلیق محض اتفاقی ہے۔ اربوں سال قبل گیسوں کے ایک گولے کے پھٹنے کے نتیجے میں دوسرے کہکشاؤں اور سیاروں کی مانند یہ زمین وجود میں آئی (۱۲) رفتہ رفتہ زمین کے ٹھنڈا ہو جانے کے بعد اس میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے۔ (۱۳) زندگی کی تخلیق کے اس

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

نظریے کے حامل افراد نے اسی دنیا ہی کو سب کچھ جانا اور اس زندگی کو بنانے سنوارنے میں ہر جائز و ناجائز ذرائع اختیار کیے۔ اسی دنیا کو سب کچھ ماننے والوں نے وسائل کی لُوٹ کھسوٹ میں خوب حصہ لیا۔ قدیم ملوکیت، مغربی تہذیب، سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم اسی نظریے کی پیداوار ہیں۔ یہ سب نظام انسانیت کو مجبور، لاچار اور بے بس گردانتے ہوئے پاؤں تلے روندتے چلے گئے۔ رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ ایسے ہی منفی خیالات و نظریات کی بدولت رہبانیت، تیاگ، ترکِ دنیا اور عجمی تصوف کو فروغ ملا۔ زندگی کا یہ نظریہ کبھی بھی امن و سلامتی اور خوشحالی نہیں لا سکتا۔(۱۴) زندگی کے بارے میں دُوسرا نظریہ یہ ہے کہ یہ کائنات محض اتفاقی نہیں بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے تخلیق کیا ہے اور اسی نے زندگی بخشی ہے۔(۱۵) اس دُوسرے نظریے کی رُو سے زندگی کا ایک خاص مقصد ہے۔ یہ زندگی کہاں اور کیسے گزاری؟ اس کے متعلق ہر ذی نفس جواب دہ ہے۔ کوئی کام اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ دنیا میں کی جانے والی ذرہ برابر نیکی یا بدی اس کو دکھا دی جائے گی۔ (۱۶)

زندگی کے متعلق یہ دونوں نظریات جاننے کے بعد اب خضر کے جواب کی جانب رجوع کرتے ہیں اور اپنی فہم کو بروئے کار لاتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ خضر کا جواب قرینِ قیاس ہے یا بعید از قیاس۔ خضر زندگی کے بارے میں حکیمانہ اور فلسفیانہ انداز میں بتاتے ہیں۔ اُن کا ہر جواب زندگی کے کسی اہم پہلو پر روشنی ڈالتا ہے اور قاری کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ درحقیقت خضر کی باتیں اقبال کے فلسفۂ خودی، عمل اور اجتماعی و انفرادی اصلاح کے اُصولوں پر مبنی ہیں۔ خضر کہتا ہے کہ زندگی ہر قسم کے سُود و زیاں سے ماورا ہے۔ یہ ایثار، قربانی اور جاں نثاری کا نام ہے۔ زندگی کو ماضی اور مستقبل کے خانوں میں بانٹ کر پرکھنے کی بجائے اس کا کلی طور پر مشاہدہ کیا جانا چاہیے کہ یہ حرکت اور مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ جمود موت کے مترادف ہے۔ زندگی محنت، لگن، جستجو اور کوشش سے عبارت ہے۔

زندگانی کی حقیقت کوہ کُن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی(۱۷)

زندگی کی حقیقت مسلسل تلاش، جدوجہد اور اپنے آپ کو پہچاننے میں پوشیدہ ہے۔ زندگی کا مقصد کائنات کے نظام میں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔"وَاَن لَیسَ لِلانسَانِ اِلّا ما سعٰی "(۱۸) انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی یعنی انسان کو اس دنیا میں جو کچھ بھی کرنا ہو گا اپنی محنت و کوشش کے بل پر کرنا ہو گا۔

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11
ماخذ تحقیقی مجلہ

وہی جہاں ہے ترا جس کو تُو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تیری نگاہ میں ہیں(۱۹)

خضر زندگی کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اسے آزادی کے ساتھ بسر کرنا چاہیے۔ غلامی بندے کی صلاحیتوں کو محدود کر دیتی ہے۔ یہ زندگی اگرچہ بہت مختصر ہے مگر بہت قیمتی ہے۔ اسے یونہی بیکار ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ جو یہاں کچھ نہیں کرتے وہ گویا مٹی کا ایک ڈھیر ہیں۔ موت کو زندگی کا اختتام نہیں بلکہ ایک نئے سفر کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ یہ زندگی انسان کے لیے دارالامتحان ہے۔ آخرت میں اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ زندگی کے بارے میں خضر کے کردار کے رُوپ میں اقبال کے خیالات جاننے کے بعد نو تاریخیت کے تناظر میں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ اقبال نے زندگی کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار کیوں کیا؟ کیوں کہا کہ زندگی سخت کوشی اور مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ کیوں اس بات پر زور دیا کہ آزادی بحرِ بے کراں ہے۔ اس سلسلے میں نو تاریخیت کہتی ہے کہ کوئی بھی فن پارہ اپنے عہد کے سماجی، اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی اقدار کا حامل ہوتا ہے، سو ان اقدار کو جانے بغیر فن پارے کا درست تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ نو تاریخیت کی روشنی میں دیکھیں تو اقبال کے عہد میں، خاص طور پر اس نظم کی تخلیق ۲۲-۱۹۲۲ء کے زمانے میں کے تناظر میں دیکھیں تو معلوم پڑتا ہے کہ مسلمان ابھی تک خوابِ غفلت میں تھے ۔حالات اس طرح کے تھے کہ مسلمان چاروں طرف سے پِس رہے تھے۔ اس کے برعکس ہندوؤں نے انگریزوں کے قریب ہو کر اور جدید تعلیم کی طرف راغب ہو کے اپنی اقتصادی حالت کو بہتر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اقبال نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے زندگی کی حقیقت کو ایک گہرے فلسفے اور روحانی نقطۂ نظر سے پیش کیا۔ ان کا پیغام انسان کو مایوسی سے نکال کر اُمید، خود اعتمادی، اور ترقی کی طرف لے جاتا ہے۔ ان کے نزدیک زندگی کی اصل حقیقت "خودی" ہے، جو انسان کے باطن میں چھپی ہوئی ایک عظیم قوت ہے۔ خودی کو پہچاننا اور اسے پروان چڑھانا زندگی کا اصل مقصد ہے۔

"اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تُو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن(۲۰)

اقبال زندگی کو عشق اور ایمان سے جلا بخشنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عشق کائنات کی روح ہے اور ایمان زندگی میں قوت پیدا کرتا ہے۔ ان کے نزدیک انسان کائنات کا مرکز ہے، اور زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کے

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11
ماخذ تحقیقی مجلہ

لیے انسان کو اپنی قابلیت، شعور اور روحانی پہلوؤں کو پہچاننا ہو گا۔ اصل زندگی وہ ہے جو موت کے بعد بھی جاری رہے۔ اقبال انسان کو اسی زندگی کی تیاری کے لیے اُبھارتے ہوئے خود احتسابی کی دعوت دیتے ہیں۔

خضر سے اقبال کا اگلا سوال ہے کہ سلطنت کیا چیز ہے؟ یہیں سے اقبال کے حقیقی سوالات شروع ہوتے ہیں۔ اس سے قبل زندگی سے متعلق سوال اُٹھا کے زندگی کی حقیقت پر روشنی ڈالنا مقصود تھا کیوں کہ سلطنت کی غرض و غایت بھی تبھی سمجھ آئے گی جب زندگی کی حقیقت سمجھ آئے گی۔ در حقیقت اقبال سب پر عیاں کرنا چاہتے ہیں کہ زندگی بخشنے والا اللہ ہے اور یہ ساری کائنات اللہ کی ہے۔ وہی صحیح معنوں میں زمین و آسمان کا مالک ہے۔ وہی حاکم اور وہی حقیقی بادشاہ ہے لیکن اس سلطنت پر یہ نام نہاد حکمران بادشاہ اپنا پنجۂ خونین گاڑتے ہیں اور جبر و استبداد سے کام لیتے ہیں۔ لہٰذا خضر بھی سلطنت پر روشنی ڈالنے سے قبل اپنے پہلے ہی مصرعے میں رمزاً "ان الملوک" کی قرآنی تلمیح استعمال کی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔[۲۱] اس آیت مبارکہ میں امپیریلزم اور اس کے بد اثرات کی قلعی کھول دی گئی ہے۔ بادشاہ جب بھی کسی ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ان کا مقصد محض وہاں کے وسائل کو لوٹنا ہوتا ہے۔ وہ کسی خیر خواہی کی نیت سے کسی ملک پر چڑھائی نہیں کرتے۔ بادشاہوں کا بنیادی مقصد رعایا کو کمزور کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے حق کی آواز بلند نہ کر سکیں اور ساری زندگی اپنی کمزوری اور غلامی میں گزار دیں۔ یہ بادشاہ اپنے جاہ و جلال سے مفتوح قوم پر اپنی زبان، اپنے علم اور اپنی ثقافت کی دھاک بٹھاتے ہیں۔ مفتوح قوم ان کے جاہ و جلال سے دب کر خود بہ خود حاشیے پر چلی جاتی ہے۔ مفتوح قوم کی یہ صورتِ حال کسی بھی نو آبادیاتی ملک میں دیکھی جا سکتی ہے۔ برصغیر پاک وہند کی صورتِ حال ہی دیکھ لیں کہ کس طرح برطانوی راج کے بعد یہاں کے باشندے انگریزی زبان بولنا اور انگریزی لباس پہننا فخر کا باعث سمجھتے ہیں۔ جب یہ صورت بن جاتی ہے تو پھر وہاں کے عوام اپنے بادشاہوں اور آقاؤں کے لیے اُجرت پر ہر ذلیل سے ذلیل کام کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ مطلق العنان بادشاہوں نے ہر عہد میں مظلوم، نادار اور بے بس لوگوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا ہے۔ چنگیز خان، ہلاکو خان، اکاسرۂ ایران اور شاہانِ یونان و روم کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> "شخصی حکومتوں میں یہ بادشاہ اپنے سحر کو قائم رکھنے کے لیے اشرفیوں اور جاگیروں کی تقسیم اور لکھ ہزاری مناصب اور خلعتوں کے عطا ایسے حربوں سے کام لیتے تھے، جب کہ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11
ماخذ تحقیقی مجلہ

جدید دور میں تمغے، اعزازات اور اُونچے مناصب اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں سازِ دلبری کی حیثیت رکھتی ہیں"(۲۲)

خضر یہاں پر بتاتے ہیں کہ اگر کبھی کوئی خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر ان ظالموں سے نجات حاصل کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے تو پھر حکمرانوں کی ساحری اور دلبری انھیں سلا دیتی ہے۔ ان بھولے اور لاچار لوگوں کی نادانی کی حد یہ ہے کہ یہ اپنے قاتل ہی کو اپنا مربی و محسن تصور کرنے لگتے ہیں جیسا کہ محمود نے ساری زندگی ایاز کو غلام بنا کر رکھا لیکن ایاز بجائے اس غلامی کو سمجھنے کے وہ اس پر فخر کرتا رہا کہ وہ محمود بادشاہ کا منظورِ نظر ہے۔

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری(۲۳)

کسی قوم کے لیے سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنی غلامی کو غلامی ہی تصور نہ کریں۔ وہ اپنی غلامی کو اس درجے قبول کر لیتے ہیں کہ ان کے اندر غلامی کا احساس بھی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتے ہیں ان کی ذات ہمیشہ سے غلامی کے لیے ہی بنی ہے حالاں کہ فطرتاً ہر انسان آزاد پیدا کیا گیا ہے لیکن اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی غلامی اسے آزادی کی لذت سے محروم کر دیتی ہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر حکمرانوں کو من مرضی سے احکامات صادر کرنے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں رہ جاتی۔

خواجگی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
پختہ ہو جاتے ہیں جب خُوئے غلامی میں غلام(۲۴)

ملوکیت کے انھی حربوں اور چال بازیوں کے پیشِ نظر اقبال نے ملوکیت کو ساحری، جادوگری، طلسم سامری اور سازِ دلبری کا نام دیا ہے۔ غلامی کا یہ طوق تب تک گلے میں پڑا رہتا ہے جب تک کوئی مردِ مجاہد اس غلامی کے خلاف بغاوت پیدا نہیں کرتا جیسا کہ فرعون کے زمانے میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی خدائی اور نمرود کے زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی خدائی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔

خضر ملوکیت کے بعد جمہوریت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپنے نتائج کے اعتبار سے یہ بھی ملوکیت ہی کی ایک شکل ہے۔ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب پانچویں صدی عیسوی میں یورپ کی معاشی، سیاسی اور تمدنی زندگی پارہ پارہ ہوئی اور رومن امپائر کا نظام درہم برہم ہوا تو یورپ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گیا اور جاگیرداری نظام کا آغاز ہوا۔ کلیسا نے اس نئے جاگیرداری نظام سے موافقت اختیار کر لی اور اس کا پشت پناہ بن گیا۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

دیکھا جائے تو یہ ملوکیت ہی کی ایک نئی شکل بن گئی تھی۔ اس کے بعد نشاۃِ ثانیہ کی ہمہ گیر تحریک نے اس جمود کو توڑا۔ معلومات، خیالات اور طور طریقوں میں جدت آئی۔ نئے دور کا آغاز ہوا۔ جاگیر داری اور کلیسا کے خلاف بغاوت شروع ہوئی ۔ ان دونوں کے خلاف قوم پرستی کا بت تراشا گیا ۔ سیاست اور دین میں تفریق پیدا کی گئی۔ اخلاقی اقدار کمزور سے کمزور ہوتی چلی گئیں۔ زندگی کے ہر شعبے اور راہِ عمل میں مکمل آزادی کے نعرے گونجنے لگے۔ یہی آزادی جدید جمہوریت کی بنیاد بنی۔ علامہ اقبال جدید مغربی جمہوریت کو اسی لیے قدیم ملوکیت کی ایک شکل قرار دیتے ہیں کیوں کہ نتائج کے اعتبار سے یہ کسی طور بھی قیصریت سے مختلف نہ تھی۔ مغربی جمہوریت دعویٰ کرتی ہے کہ اختیارات عوام کے پاس ہوتے ہیں مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اقتدار انھیں لوگوں کے پاس ہوتا ہے جن کے پاس ڈھیروں سرمایہ ہے۔ اس جمہوریت میں دین اور سیاست کے درمیان جو ایک خلیج پیدا کی گئی ، وہی اس کا سب سے بڑا نقص شمار ہوا۔ میکاولی اور اس کے ہم نواؤں نے سیاست میں اخلاقی اُصولوں کو بے دخل کر دیا ۔ ان کے نزدیک سیاست میں کسی اخلاقی اُصول، قانون قاعدے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اسی لیے علامہ اقبال نے میکاولی کو مرسلے از حضرت شیطان" کہا ہے۔ اقبال نے جمہوریت کے اس نظریے کی شدید مخالفت کی۔

نظامِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی[۲۵]

☆☆☆

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری[۲۶]

جمہوریت ایک دھوکہ ہے۔ بھولے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی حکومت ہے جب کہ اس کے پیچھے وہی سرمایہ دار حکمران اور بادشاہ مسلط ہوتے ہیں۔ وہ جس کو چاہیں خرید کر اپنی حکومت بنالیں۔ علامہ اقبال خضر کی زبانی مغربی جمہوریت اور سامراجی نظام کی نشاندہی کے علاوہ دین و سیاست کی علاحدگی، نو آبادیاتی نظام، نسلی امتیازات اور نیشنلزم کی لعنتوں کی بھی وضاحت کرتے ہیں :

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چُن چُن کے بنائے مسکرات(۲۷)

اس نام نہاد جمہوریت کا بڑا نقص یہ ہے کہ کثیر تعداد جو چاہے فیصلہ سازی کروالے اگرچہ وہ فیصلہ کتنا ہی غیر معیاری اور گھٹیا کیوں نہ ہو۔ اسی کثرت رائے سے برطانیہ میں ہم جنسیت کو جائز ٹھہرا دیا گیا ہے۔ بعض معاشروں میں شراب کی کھلے عام اجازت ہے۔ جب کہ طبی لحاظ سے بھی شراب صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ دانش، برہان، علم اور عقلمندی کو چھوڑ کر جہالت کی بنیاد پر تیار کی گئی جمہوریت کے نتائج انتہائی گمراہ کُن ہیں۔ اقبال جمہوریت کے اس لیے خلاف ہیں کہ اس مغربی جمہوریت میں صرف بندوں کو گنِا جاتا ہے۔ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ اس مغربی جمہوریت کے اندر ایک عالم اور ایک جاہل کا ووٹ ایک سی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی چیز اقبال کو سخت ناپسند ہے۔

یہ راز اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے(۲۸)

علامہ اقبال نے اپنی نظم و نثر میں جمہوریت کی اسی لیے مخالفت کی ہے کہ یہ ظاہر تو جمہوریت ہے مگر باطن میں یہ قیصریت ہی کی ایک شکل ہے بلکہ قیصریت سے بھی بھیانک اور خطرناک ہے۔ اس کی پیشانی پر تو رعایا کے حقوق کے سائن بورڈ لگے ہوئے ہیں۔ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے مجالس سجائی جارہی ہیں۔ انجمنیں بنائی جارہی ہیں جن کی بنا پر بھولے عوام انھیں اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں مگر یہ دیو ہمیشہ کمزور قوموں کا شکار کھیلنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ ! اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو(۲۹)

شاعر کے اس سوال کے جواب میں کہ سرمایہ دار اور محنت و مزدوری کرنے والے کی بابت کچھ وضاحت کیجیے کہ سرمایہ دار کا حق کہاں تک ہے اور ایک محنت کرنے والے مزدور کا حق کہاں تک؟ خضر جواب میں کہتے ہیں کہ مزدوروں کو جاکر ان کا یہ پیغام دے دیں کہ سرمایہ دار اس کی ساری محنت کو لُوٹ رہا ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11
ماخذ تحقیقی مجلہ

اے کہ تجھ کو کھا گیاسرمایہ دار حیلہ گر
شاخِ آہُو پر رہی صدیوں تلک تیری نظر(۳۰)

☆☆☆

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدُور مات(۳۱)

اس دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ یہ سرمایہ دار مزدوروں کی حق تلفی کرتے ہیں۔ مزدور دن رات محنت کرتا ہے لیکن تجوریاں امیروں کی بھرتی ہیں۔ لوہے کی بھٹیوں میں جل جل کر لوہے سے کستوری پیدا کرنے والے مزدور اس کی خوشبو سے بھی محروم رہ جاتے ہیں اور سب کچھ مل مالک سمیٹ لے جاتا ہے۔ مزدور کی محنت کی اُجرت بھی مزدور کو یوں دیتے ہیں جیسے اسے کوئی خیرات دے رہے ہوں۔ اس کے اوپر کوئی احسان کر رہے ہوں اور مزدور بے چارہ اس قدر بھولا ہے کہ وہ ان سرمایہ داروں کو اپنا محسن سمجھ رہا ہے۔ سرمایہ دار نے مزدور کو برگِ حشیش پلا کے ان کے دماغ کو سُلا رکھا ہے مگر یہ اس قدر سادہ لوگ ہیں کہ ان کے برگِ حشیش کو شاخ نباتات سمجھ رہے ہیں۔ سرمایہ داروں نے اپنے مکر و فریب سے غلاموں کو غلامی میں پختہ تر کر دیا ہے۔ نو تاریخیت کے تناظر میں دیکھیں تو اس نظم کی تخلیق کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب سوشلزم کی تحریک چہار سُو پھیل رہی ہے اور مزدور جاگ رہے ہیں۔ اسی لیے اقبال خضر کی زبان سے مزدوروں کے لیے یہ اُمید افزا کلمات ادا کرواتے ہیں کہ اے مزدور زرا تقویت پکڑ کے اب تیرے دور کا آغاز ہو چکا ہے:

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے(۳۲)

خضر عالمی سیاست پر وضاحت کے بعد عالمِ اسلام کی جانب آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو اسلام کی صورتِ حال ہے وہ بھی ان پر کچھ مخفی نہیں۔ مسلمان جو کبھی اپنے فن میں یکتا اور سرچشمۂ ہدایت تھے۔ ان سے علم کی دولت چھن گئی۔ علم کا وہ تاج اب عیسائیوں اور یہودیوں کے سر پر ہے۔ اس علم و نُور کی دولت کے چھن جانے سے مسلمان حکمت و بصیرت سے بے بہرہ ہو گئے ہیں اور ان کے اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ ادبی متون چوں کہ سماج کی پیداوار ہے اس لیے اس کی بہتر تفہیم بھی سماج ہی کے مطالعے سے ہو گی۔ کوئی بھی واقع از خود دوسروں تک نہیں پہنچتا وہ متن یا بیان کی صورت میں پہنچتا ہے۔ یہ نو تاریخیت ہی ہے جو متن / بیان اور واقعے کے درمیان حائل اضافی چیزوں

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11
ماخذ تحقیقی مجلہ

کو نکال کر خالصتاً واقعے تک پہنچتی ہے۔ نظم "خضرِ راہ" کا نو تاریخی جائزہ یہ بتاتا ہے کہ اس نظم کی تخلیق کے وقت دنیائے اسلام کی حالت بہت بد تر تھی۔ جنگِ عظیم نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو مصیبت سے دوچار کیا تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ شاہ حسین استعماری طاقتوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ اس نے ان طاقتوں کے ایما پر خلافت کی مخالفت اس لیے کی کہ اس کے بدلے اسے مکہ کی حکومت سونپی جانی تھی۔ ترکی میں انارکی پیدا ہوئی۔ مصطفی کمال نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ترکی میں متوازی حکومت قائم کرلی تھی۔ برطانیہ نے ستم یہ کیا کہ یہودیوں کو فلسطین کے اندر صیہونی ریاست قائم کرنے کے لیے بنیاد فراہم کر دی تھی۔ معاشی طور پر دیکھیں تو ہر جگہ مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ثقافتی سطح پر دیکھیں تو مسلمان اپنی شاندار تہذیبی روایات سے دور ہوتے چلے جا رہے تھے۔ بیروت نے عربوں پر ثقافتی یلغار کر کے ان میں لادینیت، سوشلزم اور اباحیت کی تحریک پیدا کی۔ ایران میں پہلوی خاندان نے وہی کچھ کیا جو مصطفی کمال نے ترکی میں کیا تھا۔ اسی لیے بعض لوگ انہیں "ایرانی اتا ترک" کہتے ہیں۔ ایران کے رضا شاہ پہلوی اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔ انھوں نے نہ صرف پردے کی مخالفت کی بلکہ بے پردگی کو جبراً رائج کر دیا۔ انگریزوں نے عیسائی مشینری اور دیگر ذرائع کی مدد سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو ذہنی و تہذیبی طور پر اس قدر غلام بنایا کہ وہ مغرب کی چکا چوند کے سامنے اپنی مقامی ثقافت کو ادنیٰ تسلیم کرنے لگے۔

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز
ہو گئی رُسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز(۳۳)

خضر قوموں کے عروج و زوال کو ان کے اعمال سے منسلک کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب قومیں اپنی روحانی اور اخلاقی اقدار کو بھول جاتی ہیں تو زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔ خضر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان اپنی تقدیر کا مالک ہے۔ اللہ نے انسان کو ارادہ، عقل، اور شعور عطا کیا ہے تاکہ وہ اپنے عمل سے اپنی تقدیر کو سنوار سکے۔ اس عمل سے ادب کا تاریخ، سماج، معاشیات، سیاسیات اور تہذیب و ثقافت کے ساتھ ایک مضبوط رشتہ بھی قائم ہوتا

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

ہے۔ خضر قوم کو تعلیم، کردار، اور اتحاد پر زور دیتے ہیں۔ یہ پیغام اقبال کے فلسفہ خودی کا عکاس ہے، جو انسان کو اپنی صلاحیتوں پر یقین رکھنے اور اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ پیغام قوموں کو اپنی تقدیر خود بنانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ خضر مشینری ترقی اور مادی سوچ کے نقصانات کی نشاندہی کرتے ہوئے جدید مغربی تہذیب کی اندھی تقلید پر تنقید کرتے ہیں اور انسانیت کو روحانیت اور اخلاقیات کی طرف لوٹنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ اُمید دلاتے ہیں کہ مسلمان اپنے نفس اور اپنی ذات کا مکمل ادراک کر لینے کے بعد اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر لیں گے۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دُھندلی سی اک تصویر دیکھ (۳۴)

علامہ اقبال کی نظم "خضر راہ" جدید دنیا کے مسائل پر ایک بھرپور مکالمہ ہے جس میں حضرت خضر جو کہ اسلامی روایات میں راہنمائی کی علامت ہیں، مختلف موضوعات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ حضرت خضر ایک مثالی راہنما کے طور پر زندگی کی حقیقت و ماہیت بیان کرتے ہوئے حقیقت کی تلاش پر زور دیتے ہیں۔ سرمایہ داری کو انسانیت کے استحصال کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ حکمرانوں اور بادشاہوں کے استحصالی ہتھکنڈوں کو بیان کرتے ہوئے نادار و بے بس مزدوروں کی حالتِ زار پر روتے ہیں۔ غلامی کی مخالفت کرتے ہیں اور آزادی کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ غلامی انسان سے تخلیقی صلاحیتیں چھین لیتی ہے۔ غلامی سے نجات اسی صورت ممکن ہے جب مسلمان اپنے اندر خودداری اور قوتِ عمل پیدا کریں۔ مغربی جمہوریت کو امپیریلزم ہی کی ایک شکل قرار دیتے ہیں۔ مغربی ترقی کو محض مادی ترقی سمجھتے ہیں۔ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید نقصان دہ ہے کیوں کہ اس میں روحانی اور اخلاقی اقدار کا فقدان ہے۔ حقیقی کامیابی وہی ہے جو انسان کو مادّی ترقی کے ساتھ رُوحانی بالیدگی اور اخلاقی برتری کی جانب لے جائے۔ وہ مسلمانوں کے زوال کی مختلف وجوہ پر غور کرتے ہیں اور انھیں بیدار ہونے اور اپنی عظمت بحال کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ کامیابی کا راز خودی کی پہچان اور مسلسل جدوجہد میں ہے، اُمت مسلمہ کا عروج نوجوانوں کی فکری بے داری، سخت کوشی، اور جہدِ مسلسل سے وابستہ ہے۔ محض تقلید یا مادی ترقی کافی نہیں۔ یہ نظم دراصل اقبال کے فلسفۂ خودی کی ایک علامتی پیشکش ہے، جس میں وہ اپنی قوم کو غور و فکر، عمل اور اپنی تقدیر خود سنوارنے کی تلقین کرتے ہیں۔ حضرت خضر کے ذریعے اقبال زندگی کے پیچیدہ سوالات کے جواب دیتے ہیں اور مسلمانوں کو ان کی موجودہ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11
ماخذ تحقیقی مجلہ

زبوں حالی سے نکلنے کا راستہ دکھاتے ہیں۔ انسان کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ وہ خود اپنے راستے کا تعین کریں اور مایوسی و ناامیدی کی بجائے محنت، کوشش اور عمل کو اپنا شعار بنائیں۔

حوالہ جات

١. مبارک علی ڈاکٹر "برصغیر میں تاریخ نویسی کے رجحانات"، تاریخ پبلشرز، لاہور، ٢٠٠٧ء، ص:٩٢
٢. گوپی چند نارنگ مضمون "تاریخیت اور نئی تاریخیت"، www.rekhta.org، ٠٧ جون ٢٠٢٢ء، 10:43 AM
٣. اسٹیفن گرین بلاٹ "Practicing New Historicism" یونیورسٹی پریس، شیکاگو، ٢٠٠٠ء، ص ٤-٢
٤. اقبال، علامہ محمد، ڈاکٹر "مطالب کلیاتِ اقبال اُردو" مرتبہ، مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ص:٤٢٢
٥. رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر "اقبال کی طویل نظموں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ٢٠١٤ء ص ١٢٦
٦. اقبال، علامہ محمد، ڈاکٹر "بانگِ درا" شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ١٩٧٢ء ص ٢٥٦
٧. سورۃ الکہف (١٨) ٨٢_٦٠
٨. اقبال، علامہ محمد، ڈاکٹر "بانگِ درا" ص ٢٥٦
٩. اقبال، علامہ محمد، ڈاکٹر "بالِ جبریل" شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ١٩٧٢ء ص ١٢١
١٠. اقبال، علامہ محمد، ڈاکٹر "زبورِ عجم" شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ١٩٧٢ء ص ٨٩
١١. اندیور، "زندگی کا سفر ہے یہ کیسا سفر" گلوکار، کشور کمار، فلم، سفر، ١٩٧٠ء
١٢. ڈاکٹر وزیر آغا "اُردو شاعری کا مزاج" طبع دوم، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ٢٠١٦ء ص ١٧
١٣. سعد اللہ جان برق "وحدت الوجود اور بگ بینگ" ابن العربی آن لائن کتب خانہ، ٢٠٢٤ء ص ٣٢
١٤. رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، "اقبال کی طویل نظموں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" ص ١١٠
١٥. سورۃ العراف (٧) ٥٤

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-11

۱۶. سورۃ الذلزال(۹۹)۷

۱۷. اقبال،علامہ محمد،ڈاکٹر "بانگِ درا"ص۲۵۹

۱۸. سورۃ النجم(۵۳) ۳۹

۱۹. اقبال،علامہ محمد،ڈاکٹر "بالِ جبریل"ص۶۹

۲۰. اقبال،علامہ محمد،ڈاکٹر "بالِ جبریل"ص۳۱

۲۱. سورۃ النمل(۲۷)۳۴

۲۲. رفیع الدین ہاشمی ،ڈاکٹر،"اقبال کی طویل نظموں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ"ص ۱۱۴

۲۳. اقبال،علامہ محمد،ڈاکٹر "بانگِ درا"ص۲۶۱

۲۴. اقبال،علامہ محمد،ڈاکٹر "ضربِ کلیم" شیخ گلام علی اینڈ سنز،لاہور ۱۹۷۲ء ص ۱۴۳

۲۵. اقبال،علامہ محمد،ڈاکٹر "بالِ جبریل"ص۴۰

۲۶. اقبال،علامہ محمد،ڈاکٹر "بانگِ درا"ص۲۶۱

۲۷. ایضاً،ص ۲۶۲

۲۸. اقبال،علامہ محمد،ڈاکٹر "ضربِ کلیم"ص۱۴۹-۱۴۸

۲۹. اقبال،علامہ محمد،ڈاکٹر "بانگِ درا"ص ۲۶۲

۳۰. ایضاً،ص ۲۶۲

۳۱. ایضاً،ص ۲۶۳

۳۲. ایضاً،ص ۲۶۳

۳۳. ایضاً،ص ۲۶۴

۳۴. ایضاً،ص ۲۶۶